چند معروف مگر موضوع احادیث (۱)

تحقیق وتحریر: مولانا محمد شہزاد مجددی سیفی'
مہتمم دارالاخلاص' ریلوے روڈ' لاہور

علم حدیث کے ماہرین نے احادیث وروایات کی جانچ اور پرکھ کے کچھ اصول وضع کیے ہیں- کسی روایت کے قبول وعدم قبول کے لئے ان اصولوں اور ضابطوں کی پابندی اشد ضروری قرار دی گئی ہے- اور اس پر علمائے امت ہمیشہ سے متفق چلے آ رہے ہیں- کسی روایت پر صحت اور ضعف کا حکم لگانے کیلئے جن قواعد وضوابط کی پابندی کی جاتی ہے اصطلاح محدثین میں انہیں ''جرح وتعدیل'' کہا جاتا ہے- یعنی راوی کے اندر موجود نقائص اور خامیوں کا پتہ چلانے کیلئے جرح ہوتی ہے اور اس کی خوبی اور ثقاہت کا اظہار مقصود ہو تو (تعدیل) ہوتی ہے-

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کے ساتھ ساتھ صاحب قرآن کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے- لہذا کلام نبوی ﷺ کے تحفظ کیلئے اس امت میں ایسے رجال کار اور مردان خدا پیدا کیے گئے جن سے خدمت حدیث کا کام لیا گیا اور انہیں ایسی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے بہرہ ور کیا گیا جو اس میدان میں گرانقدر کارنامے انجام دینے کیلئے ناگزیر تھیں-

حدیث نبوی ﷺ کا اپنی درست اور اصل حالت میں امت مسلمہ اور نسل انسانی تک پہنچنا کس قدر ضروری اور اہم تھا اس کا بیان محتاج وضاحت نہیں- اتنا کافی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب' بشارت ووعید دونوں لہجوں میں دلائی ہے- چنانچہ ابلاغ کی تحریک دیتے ہوئے فرمایا:

''فلیبلغ الشاھد منکم الغائب'' (متفق علیہ' بخاری' کتاب العلم)
(پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچا دے)

صحیح اور ٹھیک ٹھیک پہنچانے والے کو بشارت سے نوازتے ہوئے فرمایا:

''نضر اللہ امرا سمع مناشیئا فبلغہ کما سمع'' (ترمذی' کتاب العلم)
(اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور اسے ٹھیک ٹھیک آگے پہنچایا)

اور کسی قول یا کلام کو آپ ﷺ کی طرف غلط منسوب کرنے والے کو وعید سنائی:

''من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار''

(بخاری' کتاب العلم رقم '۱۰۶)

(جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا)

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''من کذب علی متعمدأفلیتبوامقعده من النار''

(بخاری' کتاب العلم)

(پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے)

حضرات صحابہ کرامؓ بھی روایت حدیث میں کمال احتیاط سے کام لیتے تھے' یہی حال تابعین اور اتباعِ تابعین کا بھی رہا' بعدازاں زمانہ خیر سے دوری کی وجہ سے برکات اٹھتی رہیں اور طبیعتیں نفاست ولطافت سے محروم ہوتی چلی گئیں' اس کے نتیجے میں کئی خرابیوں نے جنم لیا- ایسی ہی ایک خرابی وضع حدیث کا رجحان بھی ہے' اسلام دشمنوں نے بھی اس تحریک کو خوب تقویت دی اور خود بھی اس کا حصہ رہے- یہ ایک طویل بحث ہے جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن توجہ دلوانے کیلئے اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ واضعین حدیث میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو بظاہر اہل خیر میں سے تھا اور عوام الناس کی خیر خواہی کے جذبے سے احادیث وضع کیا کرتا تھا- فیاللعجب-

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

ائمہ محدثین میں سے ایسے باکمال لوگ اٹھے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیا- دیگر شعبہ جات کے علاوہ محدثین میں سے جرح وتعدیل کے ماہرین اور حفاظ نے واضعین حدیث کا پورا تعاقب کیا اور اس فن کے حوالے سے مستقل تصانیف سامنے لائے اور رامت کی کامل رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا- علامہ ابن جوزیؒ کی ''کتاب الموضوعات'' زرکشی کی ''اللآلہ المنشورہ'' امام سخاوی کی ''المقاصد الحسنہ' العجلونی کی ''کشف الخفاء'' امام سیوطی کی ''اللآلہ المصنوعہ'' محمد بن طاہر پٹنی کی ''تذکرۃ الموضوعات'' اور ملا علی قاری کی ''موضوعات صغیر ہو کبیر یعنی ''الاسرار المرفوعہ'' اور المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع'' اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں-

ان کے علاوہ بھی اہل علم نے اس موضوع پر متعدد گرانقدر تالیفات چھوڑی ہیں- یہاں یہ بات اگر دہرادی جائے تو بے محل نہیں ہوگا کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف محدثین کے نزدیک قابل قبول ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے' لیکن یاد رہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک حدیث ضعیف

کی قبولیت مشروط ہے-چنانچہ امام سخاویؒ فرماتے ہیں'میں نے اپنے شیخ ابن حجرعسقلانیؒ سے بار ہاسنا ہے:

''شرط العمل بالحديث ثلاثة'الاول (متفق عليه)وھوان يكون الضعف غير شديد'الثانی ان يكون مندرجاتحت اصل عام' والثالث 'ان لايعتقدعند العمل به ثبوته ' لئلاينسب الى النبیﷺمالم يقله''(القول البديع'۱۹۵' الاجوبة الفاضله)

(حدیث ضعیف پرعمل کی تین شرطیں ہیں'پہلی یہ کہ بہت شدیدضعیف نہ ہو(اس پرسب کااتفاق ہے)دوسری یہ کہ عام شرعی اصول وقواعد کے مطابق ہو'تیسری یہ کہ اس پرعمل کرتے وقت اس کے قوی طور پر ثابت ہونے کا اعتقادنہ رکھاجائے'کہیں ایسانہ ہوکہ حضورﷺ کی طرف ایسی بات منسوب ہوجائے جوآپ نےنہیں فرمائی)

حضرت ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں:

''قال الحافظ جلال الدين السيوطی'اتفق العلماء الحديث على انه لايحل رواية الموضوع فی ای معنی كان الامقرونابيان وضعه''''(موضوعات کبیر'۹)

(ائمہ حدیث کااس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع(جعلی)روایت کابیان کرناحلال نہیں ہےسوائے اس کے کہ اس کی وضعیت کااظہارمقصودہو)

آج کل تقریروتحریرمیں اس بےاحتیاطی کی بھرمار ہے'واعظین اورقصہ گوقسم کےمقررین کایہ عام وتیرہ ہے کہ وہ بغیرعلم کےاحادیث بیان کرر ہے ہوتے ہیں-محافل میلادونعت میں اسٹیج سیکرٹری اور نقیب قسم کےلوگ تو چل ہی اس قسم کی خرافات پرر ہے ہیں-حالانکہ رسول اللہﷺ نے ارشادفرمایا:

''كفىٰ بالمرء كذباان يحدث بكل ماسمع''

(کسی شخص کے جھوٹاہونے کیلئے اتناہی کافی ہے کہ وہ ہرسنی سنائی بات آگے کردے)

ایک روایت میں''كفىٰ بالمرء اثما''کےالفاظ ہیں-

افراط تجاہل کی فضا میں ہم ائمہ محدثین کی رہنمائی میں ایسی روایات کی نشاندھی کا فریضہ سرانجام دینا ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں اور انہیں احادیث کہہ کر سنا، سنایا اور لکھا پڑھا جاتا ہے- ان موضوع روایات میں سے ایک مشہور قول ہے:

''الفقر فخری وبه افتخر''

(فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں)

اس قول کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اچھے اچھے اہل علم اپنی تصنیفات و مقالات میں اسے نقل کر کے اس سے استشہاد کرتے ہیں اور نعت گو شعراء اپنے کلام میں اس مضمون کو منظوم انداز میں پیش کرتے ہیں-

علامہ اقبالؒ کا معروف مصرع ہے:

سماں ''الفقر فخری'' کا رہا شانِ امارت میں

ایک معاصر نعت گو شاعر لکھتے ہیں:

ہیں امت اس کی ہم ''الفقر فخری'' جس نے فرمایا
اترتے کیوں نہیں پھر حشمت ونخوت کے مرکب سے

سلسلہ سہروردیہ کے ایک فاضل صوفی بزرگ نے تصوف اور اہل تصوف کے دفاع میں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا عنوان ہی ''الفقر فخری'' ہے- یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے، اس کے اندرونی ٹائیٹل پیج پر ایک شعر یوں درج ہے:

کروں مال وزر کی میں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حرز جان فقیر ہے یہی ''قول شاہ حجاز'' ہے

الغرض کہ اس موضوع اور باطل روایت کو ایسے ایسے بزرگوں نے ''قول شاہ حجاز'' ہی سمجھا اور اپنی تحریر و تقریر میں اسے بالالتزام جگہ دی - آیئے ائمہ محدثین اور ماہرین اصول حدیث کے اقوال و آراء کی روشنی میں اس قول کا تنقیدی جائزہ لیں-

حضرت امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

''الفقر فخری وبه افتخر، وهذا الحديث سئل عنه الحافظ ابن تیمیہؒ، فقال انه كذب لايعرف فى شئى من كتب المسلمين المروية، وجزم الصغانى بانه موضوع (تلخیص الحبیر ۳/۱۰۹)

(اس حدیث الفقرفقری کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا' یہ جھوٹ ہے' مسلمانوں کے ذخیرہ مرویات میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی گئی' اور امام الصغانی بھی اس کے موضوع (جعلی) ہونے کی تائید کی ہے۔)

امام عسقلانیؒ نے حضور اکرم ﷺ سے مروی ایک اور معروف روایت یہاں نقل کر کے وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ کی طرف منسوب ''فقر ومسکنت'' کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللھم احینی مسکیناوامتنی مسکیناواحشرنی فی زمرۃالمساکین''

(اے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھ' مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)

اس روایت کو امام ترمذیؒ نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ' حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طرق سے روایت کیا ہے:

''وقال البیھقی ''ووجھہ عندی انہ لم یسال حال المسکنۃ التی یرجع معناھاالی القلۃ'وانماسال المسکنۃ التی یرجع معناھاالی الاخبات والتواضع''(تلخیص الحبیر'۳/۱۰۹'سنن الکبریٰ للبیھقی'۱۰/۹۷)

(امام بیہقیؒ کہتے ہیں' میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے' بلکہ آپ ﷺ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے)

ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور ﷺ کا فقر سے استعاذہ اور پناہ مانگنا ثابت ہے' اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں فقر سے استعاذہ کے الفاظ یوں مروی ہیں:

''اللھم اعوذبك من فتنۃالفقر (بخاری'الدعوات'رقم ۵۸۹۱' مسلم فی الذکر والدعا'رقم ۴۸۷۷)

(اے اللہ میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں:

''اللھم انی اعوذبك من الکفر والفقر''(ابوداؤد'۴/۳۲۴رقم'۵۰۹۰)

(اے اللہ میں کفر وفقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائق عبرت بھی ہے اور محل تنبیہ بھی۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے:

''ایک شخص نے پوچھا' کیا یہ دونوں (کفر اور فقر) برابر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں''

مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

''تعوذوباللہ من الفقر''(احمد'رقم ۱۰۷۴۳'ابن حبان'۱/۲۳۹رقم ۹۷۹)

(فقر سے اللہ کی پناہ مانگو)

سنن نسائی میں ہے:

''تعوذو من الفقر والفاقة''(النسائی'رقم ۵۴۴۵)

(فقر وفاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو)

حاکم نے مستدرک اور بیہقیؒ نے سنن میں ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے:

''فان اشقی الاشقیاء من اجتمع علیه فقرالدنیاوعذاب الآخرة''(سنن الکبریٰ'۱۰/۹۸رقم ۱۳۳۰۷'مستدرک'۴/۲۵۸رقم ۷۹۸۳)

(بے شک سب سے بڑا بد بخت وہ ہے جس پر دنیا کا فقر اور آخرت کا عذاب جمع ہوں۔یعنی جوان دونوں میں مبتلا کیا جائے (نعوذ باللہ)

اسی طرح ایک ضعیف الاسناد روایت ان الفاظ سے معروف ہے:

''کادالفقران یکون کفرا''(بیہقی فی الشعب'ابن عدی'مجمع الزوائد ۸/۸۷'الآلی المنشورہ'۱۰۷'ضعیف الجامع رقم ۴۱۴۸)

(قریب ہے کہ فقر کفر تک لے جائے)

الغرض احادیث صحیحہ میں فقر سے پناہ ونجات اور برات کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے لئے موجود'مذکور اور منصوص فضائل

کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا بلکہ ہر جگہ ''ولا فخر'' ''ولا فخر'' کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہار عبودیت اور تواضع فرمایا ہے۔

امام شمس الدین السخاویؒ رقم طراز ہیں:

''الفقر فخری وبه افتخر'' (باطل موضوع (مختصر المقاصد الحسنہ' رقم ۲۹۲)
(الفقر فخری......الخ باطل اور گھڑی ہوئی روایت ہے)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

''الفقر فخری وبه افتخر'' قال العسقلانی هوباطل موضوع وقال ابن تیمیةهو کذب '' (موضوعات کبیر' حرف فاء' ص ۵۰)
(فقر میرا فخر ہے......الخ عسقلانی نے اسے باطل اور موضوع کہا ہے اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے)

شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ لکھتے ہیں:

''الفقر فخری به افتخر'' قال شیخنا هوباطل موضوع ''
(الفقر فخری......ہمارے شیخ نے اسے باطل وموضوع کہا ہے)

مزید لکھتے ہیں:

اسے الصغانی نے بھی موضوع کہا ہے' (تذکرۃ الموضوعات' ص ۱۷۸)

شیخ العجلونیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''قال الحافظ ابن حجرباطل موضوع' وقال فی التمییز کالمقاصد ومن الواهی فی الفقرماللطبرانی عن شدادابن اوس رفعه ''الفقر ازین بالمؤمن من العذار الحسن علی خد الفرس'' وقال ابن تیمیة کذب' وسنده ضعیف' والمعروف انه من کلام عبدالرحمن بن زیاد بن انعم' کما رواه ابن عدی فی کامله '' (کشف الخفاء' تحت الحرف الفاء' رقم ۱۸۳۵)

(حافظ ابن حجرؒ نے اسے باطل وموضوع کہا ہے' تمیز میں مقاصد الحسنہ ہی کی طرح (صاحب تمیز) نے کہا کہ فقر کے بارے میں روایات واہیہ میں سے ایک وہ روایت ہے جسے طبرانی نے شداد بن اوس سے مرفوعا روایت کیا ہے'

کہ فقر مومن کیلئے گھوڑے کے رخسار پر خوبصورت نشان سے زیادہ موزوں ہے۔ابن تیمیہؒ نے اسے کذب کہا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ جبکہ مشہور یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم کا قول ہے۔ جیسا کہ ابن عدی نے اسے اپنی کامل میں روایت کیا ہے)

شارح بخاری امام احمد القسلانیؒ لکھتے ہیں:

''واما مایروی انه ﷺقال ''الفقر فخری وبه افتخر''فقال شیخ الاسلام والحافظ ابن حجر'هوباطل موضوع'' (المواهب اللدنیہ'۲/۱۲۶)

(اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''الفقر فخری......الخ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے باطل وموضوع کہا ہے)

تائید مزید کیلئے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمایئے:

''حضور اقدس' قاسم نعم' مالک الارض ورقاب امم' معطی منعم' قثم قیم' ولی والی' علی عالی' کاشف الکرب' رافع الرتب' معین کافی' حفیظ وافی' شفیع شافی' عفو عافی' غفور جمیل' عزیز جمیل' وہاب کریم' غنی عظیم' خلیفہ مطلق حضرت رب' مالک الناس ودیان العرب ولی الفضل' جلی الافضال' رفیع المثل' ممتنع الامثال ﷺ کی شان ارفع واعلیٰ میں الفاظ مذکورہ (یتیم' غریب' مسکین' بیچارہ) کا اطلاق ناجائز و حرام ہے''

خزانۃ الاکمل مقدسی وردالمحتار واخر شتے میں ہے:

''ویجب ذکره ﷺباسماء معظمة فلایجوز ان یقال انه فقیر غریب مسکین''

(حضور ﷺ کا ذکر عزت وتکریم والے ناموں سے کرنا واجب ہے اور اس طرح کہنا جائز نہیں کہ آپ ﷺ فقیر غریب اور مسکین تھے)

نسیم الریاض ج ۴ ص ۴۵۰ میں ہے:

''الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لا یوصفون بالفقر ولا یجوز ان یقال لنبینا ﷺفقیروقولهم عنه''الفقر فخری''لا

اصل له کماتقدم"

(انبیاء کرام علیہم السلام کوفقر سے موصوف نہ کیا جائے اور یہ جائز نہیں کہ ہمارے آقاﷺ کوفقیر کہا جائے' رہالوگوں کا"الفقر فخری" کوآپﷺ سے مروی کہنا تو اس کی کوئی اصل نہیں' جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے)

اسی کے صفحہ ۳۷۸ میں ہے:

"قال الزرکشی کالسبکی لایجوزان یقال لهﷺفقیر او مسکین وھواغنی الناس باللهتعالی لاسیمابعدقوله تعالی "ووجدك عائلا فاغنی"وقولهﷺ"اللھم احینی مسکینا" ارادبه المسکنة القلبیةبالخشوع""والفقر فخری" باطل لااصل له...... کماقال الحافظ ابن حجر عسقلانی"

(امام بدرالدین زرکشیؒ نے امام سبکیؒ کی طرح کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ آپﷺ کوفقیر یا مسکین کہا جائے' آپﷺ اللہ کے فضل سے لوگوں میں سب سے زیادہ بڑے غنی ہیں' خصوصاً اللہ تعالی کے ارشاد"ہم نے آپ کو حاجب مند پایا سوغنی کردیا" کے نزول کے بعد' رہا آپﷺ کا یہ کہنا کہ"اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ......الخ" تو اس سے مراد باطنی مسکنت کا خشوع کے ساتھ طلب کرنا ہے اور"الفقر فخری" باطل ہے' اس کی کوئی اصل نہیں' جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے۔(الفتاویٰ الرضویہ' ج۶ ص۱۲۶' مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا بریلویؒ نے"کتاب الشفاء" قاضی عیاض کے حوالے سے یہ صراحت کی ہے کہ سرکار دوعالمﷺ کی ذات والاصفات کے لئے نازیبا اور غیر موزوں اسماء وصفات کا استعمال حکایۃً بھی ناجائز وممنوع ہے' اسی طرح بارگاہ رسالت میں گستاخی و بے ادبی اگرچہ سہواً یا جہالت ولاعلمی کے باعث ہی ہولائق گرفت اور ناقابل معافی جرم ہے۔

لوسانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ہے
خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

اسلامی ریاست میں عوام کے حقوق و فرائض

تحریر: ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور۔

ریاست کا مفہوم:

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کے مطابق ریاست کی مختصر تعریف یہ ہے۔ ''انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم جو مشترکہ مقاصد کے لیے مل جل کر کام کرتے ہیں ۔[1]

جرمن قانون دانوں کے نزدیک ''ریاست ایک قانونی اکائی ہے''۔[2]

شاہ ولی اللہؒ اسلامی ریاست کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام و تمدن کے تابع اور پابند ہوں اور باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں، اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں شخص واحد سمجھا جاتا ہے۔[3]

اسلامی ریاست میں عوام کے حقوق:

اسلامی تعلیمات کی رو سے ریاست کے شہریوں کے کچھ بنیادی حقوق ہیں ان کی ادائیگی اسلامی ریاست کا فریضہ ہے اور اگر کوئی شہری محسوس کرے کہ اسکے بنیادی حقوق اسے نہیں مل رہے یا ان میں سے کوئی حق اس سے چھن گیا ہے تو اسلام نے اپنے آزاد نظام عدل میں اس بات کی واضح اور کھلی گنجائش رکھی ہے کہ شہری قانوناً وہ حقوق حاصل کر لیں۔ اسلامی قانون سیدھا سادا اور انصاف بے لاگ اور سستا ہے، جسکے حصول کے لیے کسی قسم کی رشوت یا سفارش کی ضرورت نہیں، کوئی شخصیت طبقہ یا حاکم حتی کہ امیر المومنین بھی عام قانون سے بالاتر نہیں ہے، اسے بوقت ضرورت، عدالت میں طلب کیا جا سکتا ہے، اور وہ اللہ کے علاوہ عوام کے سامنے بھی جواب دہ قرار دیا گیا ہے۔

از روئے اسلام شہریوں کے اہم حقوق:

۱۔ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت: اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اسلامی ریاست اللہ اور اسکے رسولؐ کی نیابت میں ہر اس فرد کے جان و مال کی محافظ ہے جس نے اس کی شہریت قبول کی ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلك المسلم الذی له ذمة الله وذمة رسول الله فلا تخفروا الله فی ذمته''۔[4]

(جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی۔ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اسکے رسولؐ کا ذمہ قائم ہو چکا ہے تو اللہ کے ساتھ اسکی دی ہوئی ضمانت میں دغا بازی نہ کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدہ ۵:۳۲)

جو شخص کسی کو بغیر اسکے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد فلانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔

"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ" (بنی اسرائیل ۱۷:۳۳)

اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرو۔

حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن وسکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں نبی پاکؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون مال اور تمہاری آبروئیں حرام کر دی ہیں اور ان چیزوں کو وہی حرمت بخشی ہے جو حرمت تمہارے اس شہر اس مہینہ اور اس دن کو حاصل ہے۔ مگر شرعی حق کے سلسلہ میں یہ بات باقی نہیں رہے گی۔ ۵

جس طرح جان کی حفاظت معاشرہ کی پائیداری اور استحکام کے لیے ضروری ہے اسی طرح مال کی حفاظت بھی اس وجہ سے اسلام نے مال و دولت کے حصول کے لیے جائز ذرائع بھی بیان کر دیئے اور ناجائز ذرائع بھی تاکہ معاشرہ میں اس مال کی غلط تقسیم اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے ناہمواریاں پیدا نہ ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء ۴:۲۹)

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔

اے ایمان والو: کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو تمہیں ہم نے رزق دیا (البقرہ ۲:۵۷)

نبی پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جان مال اور عزت کی حرمت کو واجب قرار دیا

اسلام حق ملکیت کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ ہر شہری جس چیز کا از روئے شرع جائز طور پر مالک ہے اس میں اسکی ملکیت محفوظ ہے۔ کسی کو بھی، حتی کہ حکومت کو بھی اس میں کسی بھی قسم کی مداخلت کا حق نہیں ہے۔ قاضی ابو یوسف کا فرمان ہے:

"ولیس للامام ان یخرج شیئاً من احد الاّ بحق ثابت معروف"٦(الف)

امام (سربراہ ریاست) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی ثابت قانونی حق کے بغیر کسی کے قبضہ سے کوئی چیز نکال لے (چھین لے)۔

بعض دفعہ ہنگامی حالت میں یا کسی اجتماعی ضرورت کے لیے اگر کسی کی ذاتی ملکیت پر حکومت قبضہ کرے گی تو یا تو مالک کی مرضی سے ایسا کرے گی یا اسکا معقول معاوضہ اسے دینا ہوگا۔ نبی پاک ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ جسکے دلائل کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔

نبی پاک ﷺ نے مسجد نبوی کو تعمیر کے لیے زمین دو یتیم بچوں سے خریدی۔٦(ب)

یہاں یہ بات مدنظر رکھنا لازم ہے کہ اسلام ان بنیادی حقوق کے معاملے میں اپنے مسلم اور غیر مسلموں شہریوں میں کوئی امتیاز نہیں برتتا۔ غیر مسلم شہریوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور ذاتی ملکیت بھی اس طرح محترم ہے جس طرح مسلم شہریوں کی۔ اسلام نے نسل انسانی کو عظمت اور شرف کے بلند مینار پر کھڑا کیا ہے۔ اسی لیے فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ" (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)

یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی۔

یہ شرف و فضل، بحیثیت انسان کے ہر انسان کو حاصل ہے۔ مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے، اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے، جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت، اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں، جسکے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کو انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے، چاند، سورج، ہوا، پانی دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا:

کل المسلم علی المسلم حرام ذمہ ومالہ وعرضہ۔ ۷
یعنی مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اسکا خون بھی، اسکا مال اور اسکی آبرو بھی۔
اس سے معلوم ہوا کہ کسی جائز قانونی ثبوت کے بغیر کسی شہری کو اسکے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

شخصی آزادی

اسلامی ریاست میں ہر شخص کو شخصی آزادی حاصل ہے جب تک کہ وہ دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں استعمال نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الامیر اذا ابتغی الریبۃ فی الناس افسدھم۔ ۸
امیر جب لوگوں کے درمیان شبہات تلاش کرے تو انکو بگاڑ دیتا ہے۔
مولانا امین احسن اصلاحی اس موضوع پر اظہار رائے کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
''پھر اسلام کی رو سے'' چونکہ حکومت کوئی مقصود بالذات شئے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ذریعہ ہے اس بات کا کہ شہریوں کو رائے و عمل کی وہ آزادی بہم پہنچائی جائے جو اسلام نے افراد و معاشرہ کو بخشی ہے تا کہ آزمائش کی وہ غرض کما حقہ پوری ہو سکے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی غیر معمولی حالت (State of Emergency) میں بھی حکومت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ انصاف کی شرطیں پوری کئے بغیر کسی شہری کی آزادی کو سلب یا محدود کرے۔ ۹
حضرت بہز بن حکیم نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی جب کہ آپؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ میرے پڑوسی کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے آپؐ نے حکم دیا کہ اسکے پڑوسی کو چھوڑ دو۔ ۱۰
اسلامی ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدالتی و قانونی ثبوت کے بغیر کسی کی شخصی آزادی میں مداخلت کرے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔
نہ یہ بات جائز ہے اور نہ اسکے جائز ہونے کی کوئی گنجائش کہ کسی شخص کو محض اس بناء پر حوالات میں ڈالا جائے کہ کسی شخص نے اس پر الزام لگایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مجرد الزام کی بناء پر کسی شخص کو گرفتار نہیں کرتے تھے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا جائے اگر مدعی کے پاس ثبوت موجود ہے تو اسکے حق میں فیصلہ دے دیا جائے ورنہ مدعا علیہ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ۱۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سے مخاطب ہو کر فرمایا ''متی استعبد تم الناس وقد ولد تھم امھاتھم احرارا''۔[۱۲]

آپ کے اس فرمان کو مولانا ظفر علی خانؒ یوں بیان کیا ہے۔

آدمی پیدا آزد ماں کے پیٹ سے
کب سے تم لوگوں نے سمجھا ہے غلام آزاد کو

مسلک اور مذہب کی آزادی

اسلامی ریاست کی بنیاد عقیدہ اسلام ہے لیکن اسکے اندر فکر ورائے اور مسلک و مذہب کی آزادی کے لیے بڑی وسعت و گنجائش ہے۔ اسلامی ریاست اپنا نصب العین حقیقی اسلام کو بتاتی ہے لیکن وہ ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتی ہے بشرطیکہ کوئی شخص اس اختلاف رائے کو فتنہ و فساد اور خون ریزی کا ذریعہ نہ بنائے' خلافت راشدہ میں بالخصوص حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں اس اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی روشن مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔''(بقرہ ۲:۲۵۶) دین میں کوئی جبر نہیں۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ''(الکافرون ۱۰۹:۶)

جہاں تک غیر مسلم باشندوں کا تعلق ہے۔ ان کو عقیدہ مسلک اور رسومات و عبادات میں پوری طرح آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اور ان کے ساتھ صرف عادلانہ نہیں بلکہ فیاضانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ عقائد اور افکار و نظریات کے واضح تضاد کے باوجود جتنی مذہبی آزادی اسلام اپنے غیر مسلم باشندوں کو دیتا ہے' اتنی آزادی دنیا کے کسی قانون میں مذہبی مخالفین کو نہیں دی گئی۔

قانونی مساوات

اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب' حاکم ہو یا محکوم' غلام ہو یا آزاد' قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔ (المائدہ ۵:۴۸)

پس آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ کریں اور اس حق سے ہٹ کر جو آپ کے پاس آ گیا ہے' ان کی خواہشوں

کے پیچھے نہ جائیے۔ یہ بھی ارشاد ہے۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ''

(المجادلۃ ۵۸:۲۰)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز خاندان بنومخزومیہ کی عورت نے چوری کی۔ اس عورت کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے حضرت اسامہؓ کو نبی پاکؐ کی خدمت میں سفارش کے لیے بھیجا گیا۔ جب حضرت اسامہ نے سفارش کی تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

''یااسامۃ تشفع فی حد من حدود اللہ؟ کیا تم اللہ کے حدود میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اعلان فرمایا کہ پچھلی امتیں اس لئے تباہ و برباد ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اسکو سزا دیتے اور اگر کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیا جاتا۔ پھر آپ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

(اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اگر بالفرض فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو اسکا ہاتھ کاٹ دیتا۔[۱۳]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلفیہ بننے کے بعد پہلے ہی خطبہ میں اور اعلان فرمایا:

ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذمنہ الحق وان اضعفکم عندی القوی حتی اخذلہ بحقہ۔[۱۴]

جبلہ بن ایھم کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے حج کے موقع پر ایک بدو کو تھپڑ مار دیا چونکہ وہ ایک ولی ریاست تھا۔ اسلامی قانون کے مطابق اسکی یہ سزا تھی کہ بدو اسکے منہ پر تھپڑ مارے۔ ولی ہونے کے ناطے اسکو یہ ناگوار گزری کہ اس سے بدلا لیا جائے۔ حضرت عمرؓ سے ایک رات کی مہلت مانگی۔ پھر رات کی تاریکی میں بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا۔[۱۵]

حضرت عمرؓ ایک بادشاہ کی مجروح انانیت کی خاطر عدل و انصاف اور مساوات کا خون نہ کر سکتے تھے۔

حضرت عمرو بن میمون سے راویت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ کہ لوگو۔ میں عاملوں اور گورنروں کو تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں ماریں یا تمہیں لوٹیں بلکہ ان کو میں اس لیے بھیجتا ہوں تا کہ وہ تمہیں دین اور سنت نبی سکھائیں۔ اگر کسی کے ساتھ تعدی (زیادتی) ہوئی ہے تو وہ مجھے بتا دے۔ اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے زیادتی کرنے والے سے اسکا قصاص ضرور دلواؤں گا۔١٦

اقتصادی تعاون

اسلامی حکومت کا ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ ہر شہری کے لیے معاشی ترقی اور خوشحالی کے راستے برابر کھولے اور ان تمام راہوں کو مسدود کرے جن کے ذریعے انسان دوسرے کے حقوق تلف کر سکتا اور ناجائز طریقے سے تجوریوں کو بھر سکتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ (الروم ۳۰:۴۰)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور پھر تم کو رزق دیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (الزخرف ۴۳:۴۰)

ان کی دنیاوی زندگی میں ہم نے انکی روزی تقسیم کر دی ہے۔

وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَہٗ بِرٰزِقِیْنَ (الحجر ۵:۲۰)

اور تمہارے لیے اسمیں روزی کا سامان پیدا کر دیا ہے اور اسکے لیے بھی جسے تم رزق نہیں دیتے۔

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ (الاعراف ۷:۱۰)

اور بے شک ہم ہی نے تو تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی اور اسمیں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کئے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

انا وارث من لا وارث لہ اعقل لہ وارثہ ۔١٧

میں اسکا وارث ہوں جسکا کوئی وارث نہیں۔ اسکی جانب سے دیت دوں گا اور اسکا وارث ہوں گا۔

اسی حدیث کی روشنی میں علماء کرام نے کہا ہے کہ حکومت جس طرح اس شخص کی وارث ہوتی

ہے جس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اسی طرح وہ اس کا قرض ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے جبکہ قرض ادا کرنے کے لیے کوئی شے چھوڑے بغیر مر جائے۔ نیز اس کی زندگی میں کفالت کی بھی ذمہ دار ہے جسکی کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو۔ اگر کوئی بیوی بچے چھوڑ کر مرتا ہے تو ان کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ اسلامی ریاست نے ہر ضرورت مند شہری کی ضروریات کو پوری کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ۔

نوید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ بازار کی طرف جا نکلا۔ وہاں ایک نوجوان عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور بولی: اے امیر المومنین میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے بچے چھوڑے ہیں جو ابھی اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنا لقمہ بھی اپنے ہاتھ سے نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے باپ نے نہ زمین چھوڑی ہے نہ مویشی' ڈرتی ہوں کہیں یہ بچے میری کسمپری کی نذر نہ ہو جائیں۔ میں حفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ نبی پاک ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر ان کی بات سن کر وہیں کھڑے ہو گئے۔ اس قریبی تعلق پر مسرت کا اظہار فرمایا اور پھر ایک اونٹ پر گیہوں کی بوری لدوائیں اور کچھ نقدی' کچھ کپڑے اسکے ساتھ رکھوائے پھر اسکی باگ اسکے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا کہ اسکو لے جاؤ اسکے ختم ہونے سے پہلے تیرے پاس مزید سامان پہنچ جائے گا۔ ۱۸

اسلامی ریاست معاشی مساوات میں لوگوں کی صلاحیتوں اور ان کی مجبوریوں کا خاص خیال رکھتی ہے۔ اگر کوئی شہری اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہے تو اسے اسکی صلاحیتوں کے مطابق فوائد حاصل ہوں گے اور اگر بے یار و مددگار ہے تو اسلامی ریاست اسکی کفالت کرتی ہے۔۔۔ ریاست ایک اہم معاشرتی ادارہ ہے جو ان کی تنظیم میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ۱۹

بنیادی تعلیم کا حق

اسلامی ریاست ہر شہری کی ابتدائی تعلیم اور ضروری تعلیم کی ذمہ دار ہے اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح اسلامی ریاست میں تعلیم کو عام کیا۔ مدینہ اور بیرون مدینہ مین بچوں اور بالغوں کی تعلیم کے مرکز کھولے گئے۔ تعلیم کو عام کرنے کے لیے حکومتی مناصب کے لیے تعلیم کو شرط قرار دیا۔ معاشرے کے ہر شعبہ میں شرف و تقدیم کا معیار علم کو ٹھہرایا۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے بعض کا تاوان جنگ ہی یہ مقرر فرمایا کہ وہ مسلم بچوں کو تعلیم دیں۔ بعض لوگوں کو اجنبی اور غیر ملکی زبانیں سکھلائیں تا کہ حکومت کا کاروبار چلانے اور دوسرے لوگوں

سے خط و کتاب میں آسانی رہے۔[20]

خلافت راشدہ کے دور میں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھا اور مسلمانوں کے علم کے غلغلے سے پورا عالم گونجنے لگا۔ افسران حکومت بلکہ سپہ سالاران فوج کو بھی تعلیم جیسے اہم فریضے کی طرف پوری توجہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

خلفاء راشدینؓ کی سیرت و عمل کی یہ باتیں تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

معصیت (گناہ) سے اجتناب کا حق

اسلامی ریاست کا کوئی رکن کسی شہری سے کسی برائی میں تعاون کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدہ ۵:۲)

پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔[21]

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی طاعت جائز نہیں۔

اس اصول کے تحت اسلامی حکومت کو یہ حق نہیں کہ کسی شہری سے ایسی اطاعت کا مطالبہ کرے جو شرعاً ناجائز ہو۔ نہ کوئی اعلیٰ افسر اپنے ماتحت کو کسی ناجائز کام کا حکم دے سکتا ہے۔ معیار حق اللہ اور اسکے رسول ہیں۔ کوئی اور شخصیت یا اقتدار یا ادارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کسی ظالم کو یہ حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کا امام (سربراہ) بنے اگر بن جائے تو لوگوں پر اسکی اطاعت ضروری نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔[22]

جب کسی مسلمان کو ناجائز کام کا حکم ملے تو نہ اسکا سننا واجب ہے اور نہ اطاعت کرنا۔

سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق

اسلامی ریاست اپنے شہریوں سے مشورہ کرنے پر مامور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"۔ (الشوری ۴۲:۳۸)

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ"۔ان سے معاملات میں مشورہ لیجئے۔(آل عمران' ۳:۱۵۹)
پس اسلامی ریاست شورائی جمہوری ریاست ہے۔جس میں عوام کو اعتماد میں لینا اور ان کے مشورہ سے نظام سلطنت کو چلانا ازروئے شرع فرض ہے تاکہ لوگ محسوس کریں کہ وہ حکومت میں شریک ہیں نہ کہ محکوم۔اسلامی ریاست کا سربراہ نہ آمر ہے' نا بادشاہ بلکہ وہ مسلمانوں کا خادم وامیر ہے۔سید القوم خادمھم۔اس کی زندہ مثال دور خلفاء راشدین ہے۔

آزادی اجتماع

اسلامی ریاست اپنے عوام کے اجتماع' جلسے وجلوس اور تنظیم پر پابندی نہیں لگائے گی بشرطیکہ اس سے ملک وملت کی سلامتی کو حقیقی خطرہ نہ ہو۔اختلاف آراء جب ناگزیر ہے تو اسکے اظہار کا طریقہ بھی آزاد ہونا چاہیے۔اجتماع کا حق اظہار رائے کے لیے ضروری ولازم ہے۔اجتماع میں نقل وحرکت کی آزادی بھی شامل ہے۔سڑکیں' شاہراہیں' گلیاں' پارک' ہوٹل' تعلیم گاہیں' راستے' کھیل کے میدان اور تفریح گاہیں سب کے لیے کھلے ہوں۔۲۳

خلافت راشدہ میں حضرت عثمانؓ پر جس طریق پر تنقید ہوئی اور جس طرح ان سے سیاسی اختلاف کیا گیا وہ کوئی مخفی امر نہیں ہے۔انہوں نے شہید ہونا گوارا کیا لیکن طاقت کے استعمال سے سیاسی اختلاف کو کچلا نہیں حالانکہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔حضرت علیؓ کے زمانے میں خوارج نے جو قضیہ پیدا کر دیا وہ تاریخ کا المیہ ہے۔"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" کے نعرے سے ابتداء کی اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے کفر پر انتہاء کی۔حضرت علیؓ نے انہیں راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کئی مرتبہ ان سے گفتگو کے لیے بھیجا گیا۔آخر کار حضرت علیؓ نے ان کو یہ پیغام بھجوایا:

"فارسل الیھم کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تسفکو ادماً ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدا فان فعلتم نبذت الیکم الحرب"۔۲۴

تم کو آزادی حاصل ہے۔جہاں چاہو رہو۔البتہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرارداد ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہیں بہاؤ گے' بدامنی پیدا نہیں کرو گے اور کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے اگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کا حکم دیدوں گا۔

"اسلامی ریاست اپنے مسلم شہریوں کو سیاسی اور مذہبی معاملات میں وہ آزادی دیتی ہے جس

میں کوئی فریب اور منافقت کارفرما نہیں ہوتی۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ اسلامی ریاست اپنے مسلم شہریوں کو ارتداد کی اجازت نہیں دیتی کہ اس سے نظم معاشرت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے"۔ ۲۵

حقوق نسواں

آج کل حقوق نسواں کا بڑا چرچا اور شور برپا ہے- اس حوالے سے بھی دنیا کا کوئی نظام دین اسلام کا ثانی نہیں- چنانچہ اسلام نے عورت کو چار حیثیتوں کو تسلیم کیا ہے- اگر اس کی کوئی اور حیثیت ہے بھی تو وہ بھی ان چار حیثیتوں میں سے ایک سے خالی نہ ہوگی- وہ ماں، بیوی، بہن اور بیٹی کی حیثیت میں پہچانی جاتی ہے- ماں کی حیثیت سے وہ انسان ساز ہے- اس کا کام انسان سازی ہے- اس اہم کام کا تقاضا ہے کہ وہ ۲۴ گھنٹے ڈیوٹی پر رہے- یہ ڈیوٹی اس قدر اہم ہے کہ اس کو اپنی تمام ضروریات سے لاپرواہ بنا دیا گیا ہے- اس نگرانی کی وجہ سے اس کا درجہ ان تمام اہم شخصیات کی طرح ہے جن کے سپرد انتہائی حساس اور اہم ترین قومی اور ملی امور ہوتے ہیں اور جن کی انجام دہی میں وہ ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں- مثلاً بڑے بڑے دانشور، سائنس دان اور زعماء ایک خاص مقام تک محدود رہتے ہیں اور قومی اور ملی اہمیت کے معاملات کو سلجھانے کی فکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں- یہ افراد خاص مقامات میں محصور رہتے ہیں اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں دانشور یا فلاں سائنسدان یا فلاں تاریخ نویس کو ایک خاص چار دیواری کے اندر بند کر کے اس کی آزادی کے حق پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں- وطن عزیز کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر کو ایک خاص مقام تک محدود رکھا گیا ہے- اگر وہ بازار میں عام آدمی کی طرح نہیں پھرتا، شادی بیاہ میں حصہ لینے کیلئے وقت نہیں ملتا، عیش وعشرت کیلئے اس کے پاس وقت نہیں اور زیادہ تر وقت کیلئے ایک لیبارٹری کے اندر قومی وملی اہمیت کے مسئلے پر غور وخوض کرتا ہے تو یہ اس کی اہمیت اور قدر قیمت کی علامت ہے- یہ اس کی حق تلفی نہیں- (ڈاکٹر صاحب موصوف اب اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں- ادارہ) دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، یہ تمام خاص مقامات تک محدود رہے- امام سرخسیؒ نے تیس (۳۰) جلدوں پر مشتمل کتاب "المبسوط" کنویں سے اپنے شاگردوں کو املاء کرائی - امام طبریؒ نے اگر چالیس سال تک روزانہ چالیس (۴۰) صفحے لکھے تو انہوں نے یہ کام ایک مشن کے تحت کیا ہوگا- وہ ایک عام آدمی کی طرح نہیں تھے جو سر بازار پھرنے، شمع محفل بننے اور وقت ضائع کرنے کے درپے ہوتے ہیں-

انسان سازی کا کام ماں کے بغیر کوئی اور نہیں کر سکتا- وہ تو بچے کے لئے محبت کا سمندر اور عزت وشرف کا پہاڑ ہے- بچے کی پرورش میں اس کی قربانی لاثانی ہے- یہی وجہ ہے کہ بچوں کو کہا گیا ہے کہ چونکہ ماں نے اپنی پوری زندگی آپ کو زندگی دینے کیلئے صرف کی ہے اس لئے اگر تمہیں جنت

جانے کی فکر ہے تو وہ آپ کو اپنے گھر کے اندر مل سکتی ہے- دور جانے کی ضرورت کیا ہے-

ماں کی موجودگی میں اگر اولاد جنت کے حصول میں ناکام ہو جاتی ہے تو یہ ان کی بہت بڑی بدقسمتی ہو گی-(۲۶) ماں کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی یہاں تک کہ اف کہنا بھی جنت سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے(بنی اسرائیل:۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں- بولا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں' بولا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں' بولا پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ-(۲۷)

عورت کی دوسری حیثیت بیوی کی ہے- بیوی ایک ایسی نعمت ہے جس کے پہلو میں قرآن کے مطابق شوہر کو سکون ملتا ہے- قرآن نے سکون دو چیزوں میں بتایا ہے اللہ کی یاد اور عورت کے پہلو میں (الرعد:۲۸' الروم:۲۴)

انسان جب کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کیلئے لباس بن جاتے ہیں-

عورت کی تیسری حیثیت ایک بیٹی کی ہے جو والدین کیلئے رحمت ہے- جو والدین ایک بیٹی کی پرورش کرتے ہیں' تعلیم دلاتے ہیں اور اس کی شادی کسی نیک انسان سے کراتے ہیں تو وہ قیامت کے دن نبی پاک ﷺ کے انتہائی قریب ہوں گے-(۲۸) نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس کی کوئی انثی (بیٹی یا بہن) ہو اور وہ اس کو زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اور اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا(۲۹)

عورت کی چوتھی حیثیت بہن کی ہے جو اپنے بھائی کیلئے سراسر پیار اور دعا کا سرچشمہ ہے- والدین کی غیر موجودگی میں بھائی اپنی بہن کی کفالت' پرورش اور تحفظ ناموس کا ذمہ دار ہوتا ہے-

اسلام عورت کو ان چار حیثیتوں میں دیکھنا چاہتا ہے- ان کے علاوہ کوئی اور حیثیت ان کی طرح باعزت' باوقار اور پرکشش نہیں ہے- اب صرف اس معاشرے میں امن وسکون اور اطمینان خوشگوار ماحول پایا جائے گا جہاں عورت کے ساتھ ان چار حیثیتوں میں سلوک روا رکھا جائے گا- مگر بدقسمتی سے عورت اپنی حیثیت اور پہچان ماں' بیوی' بیٹی اور بہن کی صورت میں بہت تیزی کھوتی ہوئی نظر آ رہی ہے- جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ اپنی حیثیت اور پہچان کسی اور غیر فطری شکل میں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہے- اس عمل نے اس کو عزت کا مقام دلانے کی بجائے اس کی شخصیت کا جنازہ نکالنے کی راہ ہموار کی ہے- اسلام نے عورت کو اتنا مقام دیا ہے کہ وہ ہر بزرگ عورت کو ماں Sister کہنے کی تعلیم

دیتا ہے اور ماں کہہ کر اس کو اس بات کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ وہ عورت قابل عزت' قابل احترام اور قابل محبت ہے- ہر عورت کو بہن Mother کہنا اس بات کی علامت ہے کہ ہر مرد اس کی عزت' مال اور جان کی حفاظت کا ضامن ہے- ہر نوجوان لڑکی کو بیٹی Daugher کہنا اس بات کا غماز ہے کہ اس کے ساتھ بیٹی جیسی محبت' بیٹی جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور اس کی عزت و ناموس پر جان دی جا سکتی ہے-

اس طرح کسی عورت کے ساتھ شریعت کے مطابق نکاح کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ زندگی کا بااعتماد مدد و معاون اور پیار کرنے والا ساتھی ہے- اور شوہر کیلئے اس کے پاس ایسی چیز یعنی سکون موجود ہے جو کروڑوں روپے دے کر بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا-

مگر بدقسمتی سے بعض لوگ عورت کو اس حیثیت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ اس کو اس عزت واحترام والی حیثیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس کو اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں- انہوں نے اس کو آزادی اور حقوق نسواں کے نام پر اس قدر ذلیل و خوار کیا کہ اس کو اپنی اصل حیثیت پر لانے میں بہت عرصہ لگے گا-

عورت معاشرے کے اندر دوسرے کام بھی کر سکتی ہے مگر یہ اس کی اضافی ذمہ داریاں ہوں گی- ان اضافی ذمہ داریوں میں بھی اس کو اپنی اصل حیثیت ماں' بیوی' بیٹی اور بہن کی شکل میں برقرار رکھنا ہوگا- اس کی یہ حیثیت ایک ایسی حیثیت ہے جو اس کی بڑائی اور شرافت کی ضامن ہے-

مغربی معاشرے میں خاندانی نظام (Family Systam) مکمل درہم برہم ہو چکا ہے' وہاں پر عورت کو ماں' بیوی' بیٹی اور بہن کی حیثیت میں نہیں پہچانا جاتا- وہ تو اب عورت کے روپ میں مرد بن گئی ہے جس کو وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو مردوں کو بھی نہیں کرنا پڑتا- ان کے ہاں وقتی طور پر ہر جگہ آباد نظر آرہی ہے- مگر گھر عام طور پر غیر آباد ہوتے ہیں- ان کو تالے لگے ہوتے ہیں- اب ان کی کوشش یہ ہے کہ جیسے انہوں نے اپنے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کیا ہے- جس کے نتیجے میں ماں اور بیوی کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ گیا ہے- اس طرح وہ مشرق میں بھی خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں تاکہ عورت اپنی اصل اور فطری حیثیت کھو کر ایک غیر فطری حیثیت اختیار کرے اور اس ''نیک کام'' میں مشرق کے چند زعماء اور معاشرے کے چند سرکردہ افراد ان کا گرمجوشی سے استقبال کر رہے ہیں- دانائی اس میں ہے کہ عورت کو اس تباہی سے بچایا جائے اور اس کو اسی حیثیت میں رہنے دیا جائے جو اس کو اسلام نے دی ہے-

اسلامی ریاست میں عوام کے فرائض

سمع و طاعت

اسلامی ریاست کے باشندوں پر ضروری ہے کہ وہ ارباب اقتدار اور خلیفہ کا حکم مانیں-

اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے:

''یَاأَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُواأَطِیْعُوْا اللہ وَأَطِیْعُوالرَّسُوْلَ وَأُوْلِی الْاَمْرِمِنْکُمْ ''(النساء۴:۵۹)

(اے ایمان والو اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب امر ہیں)

حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ:

''بایعنارسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ''(۳۰)

(یعنی ہم سے رسول اللہ ﷺ نے سمع وطاعت (ماننے اور تعمیل کرنے) کا عہد لیا، تنگی فراخی دشواری اور آسانی ہر حال میں)

اور ایک حدیث میں فرمایا:

''سنو اور اطاعت اگرچہ تم پر حبشی غلام مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں حکم دے(۳۱)

اور مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔

ہر مسلمان پر صاحب امر کی اطاعت ضروری ہے جب کہ وہ برائی کا حکم نہ دے اگر وہ برائی (معصیت) کا حکم دے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا۔(۳۲)

قانون کی پابندی

قانون کی پابندی بلاتفریق ہر شہری کا فرض ہے اس کے بغیر نہ امن قائم رہ سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی عمارت صحیح بنیادوں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْافِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا۔(الاعراف۸:۵۸)

یعنی زمین میں اس کی اصلاح ہونے کے بعد فساد نہ کرو۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ أُوْلٰئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ''(المجادلہ۵۸:۲۰)

(جو لوگ اللہ اور رسول اللہ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں۔

یعنی جس طرح گذشتہ امتوں میں سے اللہ ورسول کے مخالفوں کو ذلیل وتباہ کیا گیا ان کا شمار بھی انہی اہل ذلت میں سے ہوگا اور ان کے حصے میں دنیا وآخرت کی ذلت کے سوا کچھ نہ آئے گا۔اچھے شہری کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ خود قانون کی تابعداری کرے بلکہ اس سے یہ بھی امید ہوتی ہے کہ وہ حکومت کے قوانین کے نفاذ میں مدد کرے اور قانون شکنی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کا ہاتھ بٹائے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی ہرگز کوشش نہ کرے۔

وفاداری اور خیر خواہی

عوام پر فرض ہے کہ اسلامی ریاست سے دلی خیر خواہی رکھیں، اس کے صحیح معنی میں وفادار رہیں اور دل وجان سے اسکی بھلائی چاہیں اسکی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہیں۔اسکے ساتھ دلی وابستگی رکھیں اور اسکے نقصان کو ہرگز گوارا نہ کریں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''الدین النصیحۃ للّٰہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم'' ۳۳

دین کا نام ہے اللہ، رسول، مسلمانوں کے حکام اور عوام سے خیر خواہی کا۔

پس کسی سازش تخریبی کاروائی اور فتنہ وفساد میں حصہ لینا ان کے لیے جائز نہیں، ہر صحیح مشورہ نیک صلاح، درست تجویز پیش کرنا لازم ہے اور حکام کی اصلاح کرنا، انہیں راہ حق سے منحرف نہ ہونے دینا اور سیدھے رکھنے کی کوشش کرنا شہریوں کا فرض ہے۔اسلامی نقطہ نگاہ سے یہی صحیح خیر خواہی اور وفاداری ہے نہ یہ کہ انہیں خدا بنا کر پوجا جائے اور ہر برائی میں ان کا ساتھ دیا جائے، یہ دراصل ان کی بدخواہی اور ان سے بے وفائی ہے۔

تعاون وایثار

ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اسلامی ریاست سے اچھے کاموں میں تعاون کرے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (المائدہ ۵:۲)

نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو۔

اسلام نے ریاست کا ادارہ اس لیے قائم کیا ہے کہ نیکی کے لیے اجتماعی کوششیں بروئے کار لائی جائیں اجتماعی کام عوام الناس کے تعاون سے ہی پنپ سکتا ہے۔اسلیے شہریوں کو اپنی تمام تر صلاحیتوں اور خدمات سے اسلامی ریاست کا ساتھ دینا واجب ہے۔حکام کو اپنی تمام قابلیتوں کی پیش کش ہی وہ طریقہ ہے جس سے وہ اپنا کام اور ریاست کے مقاصد پورا کرنے سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔نیز شہریوں کا فرض ہے کہ کسی جانی ومالی قربانی سے دریغ نہ کریں۔وقت آنے پر جان ومال کو پیش

کریں۔ دفاع وطن میں خون کا آخری قطرہ اور مال کی آخری کوڑی بھی صرف کر ڈالیں۔

حکومت کے کاموں میں مال لگائیں۔ اجتماعی فلاح و بہبود کے کاموں میں اپنے مال کو اپنا نہیں بلکہ سب کا مال سمجھتے ہوئے کھلے دل سے خرچ کریں۔ کتاب وسنت کے بے شمار دلائل اس پر قائم ہیں کہ ضرورت کے موقع پر جان و مال سے دریغ کرنے والے منافق ہیں۔

فوجی خدمات

مملکت کا تحفظ سب سے اہم فریضہ ہے۔ اس لیے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ بیرونی حملہ کے وقت ملک کے دفاع میں ہر ممکن کوشش کرے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الانفال ۸:۶۰)

تم ان کے مقابلے کیلئے مقدور بھر تیاری کرو (ہر قسم کی) قوت کے ذریعے اور گھوڑے باندھ کر تا کہ تم اس سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ"۔ (توبہ ۹:۳۸)

تمہیں کیا ہوگیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تم زمین پکڑ لیتے ہو۔

اسی طرح فرمایا:

"وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ"۔ (البقرہ ۲:۱۹۰)

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ درج ذیل امور اسلامی ریاست کے شہریوں کے فرائض میں داخل ہیں:

- ☆ اسلامی ریاست میں رائج الوقت قانون کی پابندی کرنا اور امور مملکت میں تعاون کرنا۔
- ☆ امن عامہ کو ہر صورت میں قائم کرنا۔
- ☆ بوقت ضرورت جہاد میں شامل ہونا اور مالی و جسمانی اور دیگر اقسام کی قربانیاں دینا۔
- ☆ ملک کی بہتری و فلاح کے لیے تعلیم و تربیت حاصل کرنا۔ صحت کو قائم رکھنے کے لیے تمدنی شعور پیدا کرنا۔
- ☆ ملکی ضروریات پورے کرنے کے لیے مالی لحاظ سے مدد کرنا یعنی ٹیکس وغیرہ ادا کرنا۔

حوالہ جات

۱۔ Encyclopaedia of Social Science, V-14 P-328
۲۔ IBID
۳۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۴۴ مطبع مصر
۴۔ صحیح البخاری مع الفتح، کتاب الصلوۃ، باب فضل استقبال القبلۃ ۱/۴۹۶، دار الفکر
۵۔ صحیح البخاری مع الفتح، کتاب الحج، باب الخطبہ ایام منیٰ ۳/۵۷۳
۶۔ (الف) کتاب الخراج بحوالہ پروفیسر منظور احمد: مقالات علوم اسلامیہ، ص ۸۵، علی کتب خانہ لاہور
۶۔ (ب) عبدالسلام ہارون۔ تہذیب سیرۃ ابن ہشام، ص ۱۲۰، الرحیق المختوم ص ۱۸۴، دار السلام ریاض، ۱۹۹۴ء
۷۔ الترمذی، ابواب البر، باب ماجاء شفقۃ المسلم علی المسلم، ص ۲۸۶، طبع کراچی
۸۔ ابوداؤد، کتاب الادب، النہی عن التجسس، ۴/۳۸۵ (مطبقہ السعادۃ۔ مصر)
۹۔ امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست، ص ۱۶، طبع لاہور۔
۱۰۔ ابوداؤد کتاب الاقضیۃ، ۳/۳۲۷ (مطبقہ السعادۃ۔ مصر)
۱۱۔ امام ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۰۷، طبع بولاق ۱۳۰۲ھ
۱۲۔ ہیکل محمد حسین: عمر الفاروق، ۲/۲۱۹ (طبع مصر)
۱۳۔ مسلم، کتاب الحدود، باب قطع ید السارق، ۳/۱۳۱۵، البحوث العلمیہ، سعودی عرب
۱۴۔ ابوعبید قاسم کتاب الاموال، ص ۱۲، دار الفکر بیروت، ۱۹۷۵ء
۱۵۔ بشیر ساجد۔ عشرۃ مبشرۃ، ص ۲۸۸۔ ۲۸۹، البدر پبلیکیشن لاہور۔ ۲۰۰۰ء
۱۶۔ امام ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۲۵
۱۷۔ ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب فی میراث ذوی الارحام ۲/۴۰۱
۱۸۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، ۷/۴۴۵۔ ۴۴۶
۱۹۔ خالد علوی۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۴۱، ۳۴۲، مکتبہ علمیہ لاہور
۲۰۔ مسند احمد ۱/ ۲۴۷، السیرۃ النبویۃ لابی الحسن ندوی، ص ۱۸۸
۲۱۔ مسند احمد، ۵/۶۶
۲۲۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء، ۳/۱۴۶۹، البخاری، کتاب الاحکام
۲۳۔ پروفیسر میاں منظور احمد، مقالات علوم اسلامیہ، ص ۹۳، علمی کتاب خانہ، لاہور۔
۲۴۔ الشوکانی۔ نیل الاوطار، ۷/۱۳۹
۲۵۔ خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۴۳، ۳۴۴، مکتبہ علمیہ لاہور
۲۶۔ جامع الترمذی، باب ۱۰۰، باب رغم انف رجل ذکر عندہ ص ۲۰۱۶/ موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب السنۃ، دار السلام لاہور
۲۷۔ بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ ص ۵۰۶
۲۸۔ بخاری، کتاب العتق، باب فضل من ادب جاریۃ ص ۲۰۰
۲۹۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیماً ص ۱۵۹۹
۳۰۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء، ۳/۱۴۷۰، البخاری، کتاب الفتن، باب نمبر ۲
۳۱۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء، ۳/۱۴۶۸
۳۲۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء، ۳/۱۴۶۹
۳۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ان الدین النصیحۃ، ۱/۷۴